© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

سنگین معاشی بحران

کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں؟

خورشید احمد

پاکستانی معیشت قیام پاکستان ہی سے معاشی بحرانوں کی گرفت میں رہی ہے اور وقتی خوش حالی کے چند سالوں کو چھوڑ کر ملک کی عام آبادی مسلسل دباؤ کا شکار رہی ہے۔ لیکن معاشی بگاڑ' انتشار اور فساد نے اپنی وسعت 'گہرائی اور تباہ کاری کے اعتبار سے جو صورت موجودہ حکومت کے دور میں اختیار کر لی ہے' خصوصیت سے ۱۹۹۸ میں' وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ بلاشبہ یہ صورت حال ان تمام حکمرانوں کی غلط پالیسیوں اور غلط کاریوں کا مجموعی (cumulative) نتیجہ ہے جن کے ہاتھوں میں گذشتہ چھبیس (۲۶) سال ملک کی زمام کار رہی ہے (اور خود موجودہ وزیراعظم اور ان کے رفقاے کار کم از کم پچھلے پندرہ سال میں مختلف حیثیوں میں اس حکمران ٹولے کا اہم حصہ رہے ہیں)۔ اس سنگین صورت حال کو محض ان معاشی پابندیوں کا نتیجہ بھی قرار دینا غلط ہو گا جو مئی ۱۹۹۸ کے جوہری تجربات کے بعد ملک پر لگائی گئیں۔ ان کے جزوی اثر سے انکار نہیں لیکن حالات کو مزید بگاڑنے میں خود حکومت کی پے بہ پے حماقتوں اور غلط اقدامات کا نمایاں دخل ہے۔

جس حقیقت کا غیر مشروط اعتراف وقت کی اہم ترین ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ آج کا سنگین معاشی بحران پورے معاشی نظام کے بگاڑ کی پیداوار ہے اور اگر اب بھی ہماری ملکی قیادت اصل خرابی اور [illegible] اسباب سے اغماض برتتی ہے اور محض مزید قرضوں اور آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے وقتی جان بخشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(bail out) کے حربوں کے چکر میں گرفتار رہتی ہے تو اس دلدل سے نکلنے کا کوئی امکان نہیں۔ ملک آج نہیں تو کل دیوالیہ ہونے سے نہ بچ سکے گا۔ فیصلے کا لمحہ (moment of truth) آ چکا ہے۔ اب محض کام چلاؤ اور وقت گزاری کے اقدامات سے ہٹ کر بنیادی فیصلے ناگزیر ہو گئے ہیں، انھیں مزید ٹالا نہیں جا سکتا۔ واشنگٹن کے طواف اور عالمی مالیاتی اداروں کی منت سماجت اور ناز برداریاں اب زیادہ کام نہیں آ سکتیں۔ محض ٹیلی فون پر احکامات جاری کرنے اور نام نہاد کھلی کچہریاں لگانے سے بنیادی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ سارے نمائشی حربے بے کار اور غیر موثر ہو چکے ہیں۔ آج قوم اس نازک دوراہے پر کھڑی ہے جہاں زندگی اور موت اور آزادی اور غلامی کا فیصلہ ہونا ہے۔

یہ ایک تلخ اور افسوس ناک حقیقت ہے کہ ملک کی قیادت (موجودہ حکومت اور اس کے پیش رو جو آج حزب اختلاف کا کردار ادا کر رہے ہیں) معاشی مسئلے کے حل تو درکنار، اس کے صحیح ادراک کا بھی کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکی ہے۔ حالات اس درجہ خراب ہو گئے ہیں کہ پوری معیشت جمود اور کساد بازاری (stagnation and recession) کا شکار ہے۔ سات سو سے زیادہ کارخانے بند پڑے ہیں، بار بار کے تخفیف قدر زر (devaluation) کے باوجود برآمدات میں اضافہ نہیں ہو رہا، بے روزگاری بڑھ رہی ہے، ملک کے بنک کاری نظام کو قرض نادہندگی کا گھن تباہی کے دہانے پر لے آیا ہے، سرکاری ادارے خسارے میں ڈوب چکے ہیں، ٹیکسوں کی آمدنی سارے دباؤ کے باوجود کم ہو رہی ہے، افراط زر اور مہنگائی میں اضافہ ہو رہا ہے اور ملکی اور بیرونی قرضوں کا بوجھ ناقابل برداشت اور ان پر سود کی ادائیگی ناقابل عمل ہوتی جا رہی ہے۔ عالمی سطح پر ملک عملاً نادہندہ (defaultor) ہو چکا ہے۔ کم از کم ۷ بلین ڈالر کے فارن کرنسی اکاؤنٹ اور دو بلین ڈالر سے زیادہ کے واجب الادا قرض اپنے وقت پر ادا نہیں کیے گئے اور تین سے پانچ بلین ڈالر کی مزید ادائیگیاں سال رواں میں واجب الادا ہونے والی ہیں۔ مرکزی بجٹ کا ۴۵ فی صد (یعنی ۲۷۵ ارب روپے جو اب بھی دفاع کے بجٹ سے دوگنا ہے) صرف سود اور قرضوں کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے۔ اب اگر نظام میں تبدیلی نہیں ہوتی تو یہ حصہ ہر سال تیزی سے بڑھتا جائے گا اور سارے ہی بجٹ کو ہڑپ کر جائے گا۔

یہ تو ہے معیشت کلاں (macro economic) کی صورت حال۔ لیکن انسانی سطح پر صورت حال زیادہ دگرگوں ہے۔ غربت اور افلاس نے آبادی کے ۴۰ فی صد کو اپنے شکنجے میں کس لیا ہے۔ لوگوں کو زندگی کی بنیادی سہولتیں حاصل نہیں ہیں اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ لوگ غربت سے تنگ آ کر خودکشی اور خود سوزی کا شکار ہو رہے ہیں، اور وہ بھی وزیراعظم کی کھلی کچہری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں۔ یہ کل تک ایک مسلم معاشرے میں ناقابل تصور تھا۔ یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بہترین زرعی' معدنی اور انسانی وسائل سے مالا مال کیا ہے اور جس کے بارے میں ابھی چالیس برس پہلے' اپنے ہی نہیں غیر بھی یہ پیشن گوئی کر رہے تھے کہ یہ' ترقی پذیر دنیا کے لیے نمونے کا ملک بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تعمیر اور ترقی کی جگہ بگاڑ اور فساد نے یہ گھمبیر صورت کیسے اختیار کی؟ اس کے بے لاگ تجزیے کی ضرورت ہے۔ ایک حقیقت پسندانہ تجزیے کی روشنی ہی میں بحران سے نجات اور مسائل کے حل کا کوئی واضح نقشہ بن سکتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی تاریخ کے دوسرے دور یعنی ۱۹۷۲ء سے اب تک کے بنیادی معاشی اعداد و شمار (indicators) پر ایک نگاہ ڈال لی جائے تاکہ مسئلے کی نوعیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھا جاسکے اور خرابی کی اصل جڑ کو متعین کر کے صحیح لائحہ عمل مرتب کیا جاسکے۔ (ملاحظہ کیجیے جدول' پاکستانی معیشت کا اتار چڑھاؤ' اگلے صفحے پر)

پاکستانی معیشت کے اس چھبیس (۲۶) سالہ جائزے کے تجزیے سے جو حقائق سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ اس پورے عرصے میں سائنسی بنیادوں پر ملک کی حقیقی ضرورتوں اور ترجیحات کے واضح تعین کے بعد مناسب منصوبہ بندی اور پالیسی سازی کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ پہلے پندرہ برسوں میں یعنی ۱۹۸۷ء تک عملاً طویل عرصے کی کوئی منصوبہ بندی نہیں ہوئی۔ سارا کاروبار سالانہ بجٹ اور سالانہ منصوبوں کی بنیاد پر چلتا رہا اور اس طرح عارضی اقدامات (adhocism) اور وقتی مصلحتیں پالیسیوں کا اصل محور رہیں۔ اس کے بعد برائے نام منصوبہ بندی شروع ہوئی مگر اس کا اصل مقصد زیادہ سے زیادہ بیرونی امداد اور قرضوں کا حصول تھا۔ حقیقی منصوبہ بندی سے یہ ملک مسلسل محروم رہا ہے۔

۲۔ ملک میں بنیادی معاشی ڈھانچے (economic infrastructure) کو ترقی دینے' بنیادی صنعتوں کو قائم اور مضبوط کرنے' زرعی پیداوار کو بڑھانے' روزگار فراہم کرنے' غربت دور کرنے' دولت کی تقسیم کو منصفانہ بنیادوں پر منظم کرنے اور عام شہریوں کو خوراک' تعلیم' صحت اور معاشی مواقع فراہم کرنے کا کوئی حقیقی اور دیرپا (sustained) پروگرام وضع نہیں کیا گیا۔ اس طرح معاشی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور ترقی دینے کا کام نظرانداز ہوا جس کے تلخ نتائج آج نظر آ رہے ہیں۔ نمائشی ترقی اور صرف دولت مند اور بااثر طبقات کے مفادات کا تحفظ اور ایک مخصوص گروہ کو جلد از جلد امیر بن جانے کے مواقع فراہم کرنا

© rasailojaraid.com

پاکستانی معیشت کا اتار چڑھاؤ

زمانہ	مجموعی ملکی پیداوار	فی کس پیداوار یا آمدنی	زرعی پیداوار کی ترقی کی رفتار	صنعتی پیداوار کی ترقی: کل صنعت	صنعتی پیداوار کی ترقی: بڑی صنعت	سرمایہ کاری کا تناسب	سرمایہ کاری کی پیداآوری	بے روزگاری کا تناسب	افراط زر کی شرح	تجارتی خسارے کا تناسب	بجٹ کے خسارے کا تناسب	زر کی رسد میں اضافے کی شرح	بیرونی قرضے (بلین میں)
1973-74 سے 1976-77	4.11	1.05	2.2	2.53	0.94	18.09	13	3.5	20.03	7.76	9.48	17.46	$4.022 1972-73
1977-78 سے 1987-88	6.56	3.48	3.9	9.17	9.47	18.78	17	3.60	7.31	9.61	7.20	17.38	$ 9.230 1977-78 $ 19.983 1987-88
1988-89 سے 1991-92	5.67	2.57	6.09	6.00	5.11	19.23	8.4	4.62	9.92	5.67	7.53	11.42	$24.602 1990-91
1992-93 سے 1994-95	3.73	0.78	1.94	4.55	2.94	19.61	3.8	4.98	11.31	4.74	6.49	20.72	$ 29.336 1993-94
1995-96 سے 1997-98	3.93	1.10	5.87	4.33	2.35	17.80	0.06	5.40	10.11	4.61	6.03	13.40	$ 31.633 1997-98

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت اور اس کے اداروں کا اصل ہدف رہے۔

۳۔ معاشی ترقی کے لیے خود انحصاری اور ملک میں ایسی استعداد پیدا کرنے کا راستہ اختیار نہیں کیا گیا جس کے نتیجے میں وہ ایک طرف اپنی پیدا آوری بنیاد (production base) کو مضبوط کر سکے تو دوسری طرف اپنے وسائل کے بل بوتے پر ترقی کی راہیں استوار کر سکے۔ اس کے برعکس بیرونی امداد اور بیرونی قرضوں کو ترقی کا محور اور مدار بنایا گیا۔ نتیجتاً بیرونی اور ملکی قرضوں کا اتنا بڑا بوجھ تو ملک پر لد گیا جو آج تین ہزار ارب روپوں سے تجاوز کر گیا ہے۔ یہ کل سالانہ قومی پیداوار سے بھی زیادہ ہے۔ اس پر صرف سود وغیرہ ادا کرنے کے لیے سال رواں میں ۲۷۵ ارب روپے درکار ہوں گے جو بجٹ کا ۴۵ فی صد اور دفاع کے اخراجات سے دوگنا ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسی معیشت وجود میں آئی ہے جو اپنی زندگی کے لیے دوسروں کی محتاج اور جس کی ملکی اساس نہایت کمزور اور ناقابل بھروسا (fragile) ہے۔ اس نے ہماری معیشت کو عملاً دوسروں کے ہاتھوں گروی رکھ دیا ہے اور ہماری سیاسی آزادی تک کو کمزور اور مجروح کر دیا ہے۔

۴۔ گذشتہ پندرہ سولہ سال سے جس حکمت عملی پر عمل ہو رہا ہے وہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی نام نہاد استحکام پیدا کرنے والی پالیسی (stabilisation policy) کہلاتی ہے جس میں اصل زور بجٹ کے خسارے کو کم کرنے، افراط زر کو روکنے اور نج کاری اور قرضوں پر مبنی سرمایہ کاری پر ہے۔ لیکن صاف نظر آ رہا ہے کہ اس کے نتیجے میں بیرونی قرضے تو بے پناہ بڑھ گئے ہیں مگر عملاً بے روزگاری اور غربت میں اضافہ ہوا ہے، فی کس آمدنی میں اضافہ نہ ہونے کے برابر ہے اور شرح اضافہ ۷۸-۱۹۷۷ سے ۸۸-۱۹۸۷ کے دس برسوں کے مقابلے میں ۹۸-۱۹۸۸ کے دس برسوں میں نصف رہ گئی ہے۔ صنعتی پیداوار خصوصیت سے بڑی صنعت کی پیداوار غیر تسلی بخش رہی ہے۔ سرمائے کی پیدا آوری میں مسلسل کمی ہوئی ہے جو پیدا آوری عدم صحت کی علامت ہے۔ بجٹ کے خسارے میں بھی مطلوبہ کمی واقع نہیں ہو سکی اور افراط زر بھی ۸۹-۱۹۷۹ کے اوسط (۹.۶۱ فی صد) سے زیادہ (۱۰.۴۷ فی صد) رہا ہے۔ یہ سرکاری اعداد و شمار ہیں ورنہ آزاد معاشی ماہرین کی نگاہ میں عملاً افراط زر اس شرح سے کم از کم ۵۰ فی صد زیادہ رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں آئی ایم ایف کی حکمت عملی یکسر ناکام رہی ہے۔

۵۔ ان چھبیس برسوں میں جن پالیسیوں پر عمل ہوا ہے اس کے نتیجے میں ملک میں غربت میں اضافہ ہوا ہے اور دولت کی تقسیم مزید غیر مساوی ہو گئی ہے۔ صحیح اعداد و شمار کی کمی خود ایک بڑا مسئلہ ہے لیکن جو معلومات بھی موجود ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ آمدنی پر مبنی غربت جس میں ۱۹۷۵ اور ۱۹۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے درمیان کمی ہوئی تھی، ۱۹۹۰ کے بعد پھر اس میں اضافہ ہوا ہے۔ اگر ۱۹۹۰ میں ۲۰ فی صد آبادی آمدنی کے خط افلاس، (poverty line) کے نیچے تھی تو یہ تعداد بڑھ کر ۱۹۹۵ میں ۳۰ فی صد اور ۱۹۹۸ میں ۳۸ فی صد ہو گئی ہے۔ گویا ان ۸ سالوں میں غربت میں تقریباً دوگنا اضافہ ہوا ہے۔ گھریلو آمدنی کے تمام جائزے صرف غربت میں اضافے ہی کی نشاندہی نہیں کرتے بلکہ دولت کی تقسیم میں بھی ارتکاز ظاہر کر رہے ہیں۔ اس طرح امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہے ہیں (ملاحظہ کیجیے آکسفورڈ پریس کی تازہ ترین کتاب Human Development in South Asia 1998 مرتبہ: محبوب الحق، خدیجہ حق، ص ۱۷)۔

یہ تو وہ بنیادی خامیاں ہیں جو آئی ایم ایف / ورلڈ بنک کی عطا کردہ استحکام پرور اور اسٹرکچرل تبدیلی پر مبنی پالیسی کے فطری نتیجے کے طور پر رونما ہوئی ہیں۔ یہ ہماری قومی ترجیحات سے بدیہی طور پر متصادم ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کی روشنی میں بنیادی پالیسی کے امور پر ازسرنو غور ہو اور طویل مدت کی اصلاحات اور فوری اصلاحات دونوں کے لیے ایک نیا فریم ورک مرتب کیا جائے۔ لیکن بات نامکمل رہے گی اگر چند دوسری بنیادی خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی نہ کی جائے جو اس درآمدہ پالیسی کے نقصانات اور قباحتوں کو دوچند کرنے کا سبب بنیں اور جن کی وجہ سے ہمارا معاشی سفر صحیح سمت اختیار ہی نہیں کر سکا۔

بدقسمتی سے اس پورے دور میں معاشی نظام کا کوئی تصور مفقود رہا ہے۔ پاکستان کا قیام ایک ایسے معاشرے اور معیشت کو وجود میں لانے کے لیے تھا جو اسلام کے اصول انصاف و اخوت پر مبنی ہو۔ اقبال اور قائداعظم کا نام تو ہماری قیادتوں نے دل کھول کر لیا ہے مگر ان کے بتائے ہوئے مقاصد اور اہداف سے عملاً کوئی دلچسپی انھوں نے نہیں دکھائی بلکہ ساری کارروائی ان کے برعکس ہی ہوتی رہی۔ اقبال نے مسلمانوں کے اسلامی تشخص، اسلامی قانون کے احیا، غربت و افلاس سے مسلمانوں کی نجات اور انھیں اس خطے میں قیادت و سیادت کے لائق بنانے کو پاکستان کا مقصد قرار دیا تھا اور اپنے ۱۹۳۰ کے معروف خطبہ الہ آباد اور قائداعظم سے خط و کتابت میں ان چاروں امور کو بہت صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیا تھا۔ خود قائداعظم نے سرمایہ داری، جاگیرداری اور اشتراکیت کے مقابلے میں اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے قیام کو پاکستان کی منزل قرار دیا تھا اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ظلم سے نجات اور غریب عوام کی خدمت اور انھیں معاشی مواقع فراہم کرنے کو اپنا مشن قرار دیا تھا۔ ان کے الفاظ ذہنوں میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسٹیٹ بنک کے افتتاح کے موقع پر انھوں نے کہا تھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغرب کے اقتصادی نظام نے انسانیت کے لیے لاینحل مسائل پیدا کر دیے ہیں اور ہم میں سے بیشتر کو محسوس ہوتا ہے کہ دنیا کو جو تباہی درپیش ہے، ایک معجزہ ہی اسے، اس سے بچا سکتا ہے۔ یہ انسان اور انسان کے درمیان عدل قائم کرنے میں اور بین الاقوامی دائرے میں تنازعات دور کرنے میں ناکام رہا ہے۔ مغرب کے اقتصادی نظریے اور عمل کو اختیار کرنے سے ہم خوش اور مطمئن افراد تیار کرنے کا مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ہمیں اپنی تقدیر اپنے طریقے سے بنانا چاہیے اور دنیا کے سامنے اسلام کا مساوات اور عدل اجتماعی کے تصورات پر مبنی معاشی نظام پیش کرنا چاہیے۔

انھوں نے غربت کے خاتمے اور غریبوں کی فلاح کو اپنی ترجیح قرار دیا تھا:

میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ اللہ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے کہ اس عمر میں آسایش کے ساتھ زندگی گزاروں۔ میں کیوں اتنی تکلیف اٹھاؤں، دوڑ بھاگ کروں اور خون پسینہ ایک کروں۔ سرمایہ داروں کے لیے نہیں بلکہ آپ کے جیسے غریب افراد کے لیے۔ میں نے عوام کی حد درجہ غربت کو دیکھا ہے، ان میں سے کچھ کو ایک وقت کی روٹی نصیب نہیں ہوتی۔ مجھے اس کا احساس ہے اور ہم پاکستان میں ہر شخص کے لیے باعزت زندگی فراہم کرنے کی خاطر جو کچھ ہمارے اختیار میں ہے، کریں گے۔ (کلکتہ میں مسلم لیگ کے کارکنوں سے خطاب، یکم مارچ ۱۹۴۶)

۱۱/اگست ۱۹۴۷ کے قومی اسمبلی کے خطاب میں فرمایا:

اب اگر ہم پاکستان کی اس عظیم مملکت کو خوش حال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں لوگوں کی خصوصاً عوام کی اور غریبوں کی بہتری اور بھلائی پر مکمل طور پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

قائداعظم نے ان طبقات کی بھی نشاندہی کی تھی جو ترقی کی راہ میں اصل رکاوٹ ہیں لیکن قائد کے نام لیواؤں نے انھی کو مضبوط کیا جو ظالم تھے اور جن کے چنگل سے نجات کے لیے آزادی کی جنگ لڑی گئی تھی:

اب میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں جو ایک ایسے نظام کی بدولت جو انتہائی سفاک اور چالاک ہے ہماری قیمت پر پھل پھول رہے ہیں۔ اس نے ان کو اتنا خود غرض بنا دیا ہے کہ ان سے معقول بات کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ عوام کا استحصال کرنا ان کے خون میں شامل ہو گیا ہے۔ انھوں نے اسلام کے سب سبق بھلا دیے ہیں۔ لالچ اور خود غرضی نے ان کو دوسروں کی بھلائی سے بے تعلق کر دیا ہے، انھیں صرف اپنی فکر ہے۔ آپ دیہات کے کسی حصے میں چلے جائیں، میں دیہاتوں میں گیا ہوں، ہمارے لاکھوں آدمی ایسے ہیں جنھیں ایک وقت کا کھانا بھی مشکل سے ملتا ہے۔ کیا یہ تہذیب ہے؟ کیا یہ پاکستان کا مقصد ہے؟ آپ دیکھتے ہیں کہ لاکھوں آدمیوں کا استحصال کیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور انھیں ایک وقت کا کھانا نہیں ملتا۔ اگر پاکستان کا یہ تصور ہے تو مجھے نہیں چاہیے۔ (آل انڈیا مسلم لیگ کے دہلی کے اجلاس میں صدارتی خطاب' ۲۴ اپریل ۱۹۴۶)

قائداعظم کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ پاکستان کو دوسروں کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔ وہ سمجھتے تھے کہ محض نج کاری مسائل کا حل نہیں' ریاست کا بھی ایک مثبت رول ہے جو اسے دیانت اور اعلیٰ کارکردگی کے ساتھ انجام دینا چاہیے۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ کو ولیکا ٹیکسٹائل ملز کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے قائداعظم نے کہا تھا کہ صنعتی ترقی کا مقصد دوسروں پر ہماری محتاجی کو کم کرنا ہونا چاہیے تاکہ ہم دنیا میں اپنے مقام کے مطابق کردار ادا کرسکیں۔ نیز منصفانہ ٹیکس سسٹم کے قیام' سماجی انصاف کے حصول اور اہم صنعتوں اور عوامی خدمت (public utilities) کے پیداواری اداروں کے سرکاری انتظام اور کنٹرول میں رکھنے کی اہمیت واضح کی تھی (انٹرویو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ' ۵ نومبر ۱۹۴۵)۔ لیکن ان تمام باتوں کو پچھلے ۵۰ سال میں بھلا دیا گیا اور اس جاگیردارانہ' سرمایہ دارانہ نظام کو بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی جو ہماری معاشی مشکلات کی جڑ ہے۔ آج چند ہزار خاندان ملک پر قابض ہیں' اور اس کے سارے وسائل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جبکہ عوام کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہی خاندان زراعت' صنعت اور تجارت پر قابض ہیں۔ یہی سیاست اور اقتدار کے اعلیٰ ایوانوں کی زینت ہیں' انھی کے سپوت انتظامیہ' فوج اور پولیس کے اعلیٰ کارپرداز ہیں' یہی بنکوں سے استفادہ کرنے والے اور ان کے اعلیٰ ترین نادہندہ ہیں۔ قومی دولت کے ۸۰ فی صد پر ان کا قبضہ ہے اور اربوں ڈالر یہ ملک سے باہر لے گئے ہیں (جگہ کی قلت تفصیلات دینے سے مانع ہے۔ حال ہی میں دو اہم کتابیں شائع ہوئیں جن میں اس گروہ کی کارفرمائیوں کی کچھ تفصیل موجود ہے۔ ان کا مطالعہ مفید ہو گا۔ عقیل عباس جعفری کی کتاب "پاکستان کے سیاسی وڈیرے" اور شاہد الرحمٰن کی کتاب' (Who Owns Pakistan)۔ جب تک یہ ظالمانہ نظام باقی ہے اور یہ قبضہ گروپ برسراقتدار ہے' اقبال اور قائداعظم کے تصور کا پاکستان وجود میں نہیں آسکتا۔

اس ظالمانہ نظام ہی کا ایک پہلو وہ بددیانتی' کرپشن اور لوٹ مار ہے جو ہر سطح پر جاری ہے اور جس کے نتیجے میں ملکی وسائل کا ایک معتدبہ حصہ' مفاد پرست طبقہ عوام کا حق مار کر اپنے تصرف میں رکھے ہوئے ہے۔ کرپشن کا کم سے کم اندازہ ۵ سو ارب روپے سالانہ ہے جو ملکی بجٹ کا ۹۰ فی صد ہے اور زیادہ لبرل اندازہ ڈیڑھ ہزار ارب سالانہ ہے جو قومی پیداوار کا ۵۷ فی صد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ کئی سال سے پاکستان کا شمار دنیا کے بدعنوان ترین ممالک میں سرفہرست آ رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کرپشن اور سود کی لعنت سے نجات حاصل کر لی جائے تو ان سے حاصل ہونے والے وسائل چند برسوں میں ملک سے غربت کے خاتمے کا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب حقیقی اقتدار ملک کے عوام تک منتقل ہو اور ان کی آواز عملاً موثر بن سکے۔ ملک کو دیانت دار اور لائق قیادت میسر ہو جو لوٹنے والوں کا موثر احتساب کرے اور ایک مکمل طور پر شفاف (transparent) نظام حکومت قائم کرے جس میں قیادت عوام میں سے ہو' عوام کی حقیقی خادم ہو اور ان کے اور خدا کے سامنے پورے طور پر جواب دہ ہو۔ قیادت کی اس تبدیلی کے ذریعے ہی جبر و ظلم کے نظام کو بدلا جا سکتا ہے اور عدل و انصاف پر مبنی نظام قائم ہو سکتا ہے۔

صحیح معاشی ترجیحات کا تعین بھی اس عمل کا ایک اہم حصہ ہے۔ حقیقی خود انحصاری اور معاشی ترقی کے رخ کو عوام کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے پیدا آوری نظام کے قیام کے لیے موڑنا وقت کی ضرورت ہے۔ قرضوں پر مبنی ترقیاتی حکمت عملی ناکام رہی ہے اور اس نے ہمارے ملک کو ایک ایسا مریض بنا دیا ہے جس کی زندگی کا انحصار مسلسل بیرونی آکسیجن کے حصول پر ہے۔ وقت آگیا ہے کہ قوم قرضوں سے نجات اور خود انحصاری پر مبنی معیشت کے قیام کا بنیادی فیصلہ کرے۔ اس کے لیے ڈیفالٹ (default) ضروری نہیں۔ دنیا کے ۳۲ ممالک نے صرف گذشتہ ۱۵ سال میں اپنے قرضوں کی ادائگی کا نیا نظام الاوقات بنوایا ہے اور کم از کم ۱۱ نے تو ڈیفالٹ کا راستہ بھی اختیار کیا ہے۔ ہمیں بہترین اور بدترین دونوں امکانات (scenarios) کو سامنے رکھ کر اپنی حکمت عملی وضع کرنی چاہیے۔ لیکن اصل عزم یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے وسائل کے اندر رہ کر جینے کا طریقہ اختیار کریں اور صرف وہ قرض حاصل کریں جو پیدا آوری صلاحیت میں اتنا اضافہ کرتا ہو کہ اسے بہ خوبی واپس کیا جا سکتا ہو۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں قرضوں کی سیاست نے جو اندھا کھیل کھیلا ہے اس میں پیدا آوری صلاحیت کی ترقی کو کوئی مقام حاصل نہ تھا بلکہ ہم تو عام انتظامی اخراجات سودی قرض سے لے کر چلا رہے ہیں اور بھول گئے ہیں کہ:

رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

"وہ ایک دن" کبھی کا آچکا مگر قیادت اب بھی مزید قرض لے کر ہی زندگی کے لمحے مستعار لینے پر مصر ہے۔ یہ خودکشی کا راستہ ہے' ترقی کا نہیں۔

موثر نظام احتساب کی کمی بھی خرابیوں کو پروان چڑھانے اور بگاڑ کے بے روک ٹوک بڑھتے جانے کا سبب ہے۔ اس وقت جس چیز کو احتساب کہا جا رہا ہے وہ ایک مذاق اور ڈھونگ ہے۔ دونوں بڑی پارٹیاں'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو بدعنوانی میں ایک دوسرے کی مثل ہیں، اپنے اپنے دور اقتدار میں اپنے حریف کو مقدمات میں الجھانے کا ڈراما کر رہی ہیں لیکن حقیقی احتساب کسی کا بھی نہیں ہوا اور نہ اس طریقہ کار سے ہو سکتا ہے۔ احتساب سب کا ہونا چاہیے اور اس کے لیے وہی نظام موثر ہو سکتا ہے جو مکمل طور پر آزاد ہو، اس کی گرفت سے کوئی بھی باہر نہ ہو۔ یہ احتساب وہی کر سکتا ہے جس کا اپنا دامن پاک ہو۔ جس حمام میں سب ننگے ہوں وہاں احتساب کا کیا تصور؟ سب جانتے ہیں کہ بے نظیر صاحبہ اور پی پی پی کے ٹولے نے ملک کو کس طرح دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور کتنی دولت ملک سے باہر لے گئے۔ لیکن دو سال ہو رہے ہیں اور سارے شور شرابے کے باوجود ملکی خزانے کی ایک کوڑی بھی ان سے واپس نہیں لی جا سکی ہے۔ یہی وزیراعظم صاحب کے خاندان کی صورت ہے۔ وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ۱۰ ارب کے قرضے صرف بنک کاری کے نظام سے لیے ہوئے ہیں جس کے وہ نادہندہ ہیں (لطف یہ ہے کہ صرف یہ رقم کل نادہندہ قرضوں کا پندرہواں حصہ ہے) لیکن وصولی صفر ہے۔ اسراف کا بازار اسی طرح گرم ہے۔ ایوان صدر اور وزیراعظم کے دفتر کے اخراجات ۲ ارب روپے سالانہ سے زیادہ ہیں جو صحت کے پورے مرکزی بجٹ سے زیادہ ہیں۔ وزارت اطلاعات جو صرف سرکاری پروپیگنڈے میں مصروف ہے، اس کا بجٹ ایک ارب روپے سالانہ ہے جبکہ ملک میں تحقیق (research and development) کا پورا بجٹ صرف ۱۴ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے ہے۔ پارلیمنٹ خود اس بندر بانٹ میں شریک ہے۔ وہ نہ معاشی ترجیحات کو درست کرنے میں کوئی کردار ادا کر رہی ہے اور نہ بدعنوانی کے خاتمے اور احتساب کے لیے کسی موثر نظام کو قائم کرنے میں ہی اسے کوئی دلچسپی ہے۔ بات پھر سیاسی ارادے (political will) اور تبدیلی قیادت پر آجاتی ہے جس کے بغیر قومی زندگی میں کسی نئے باب کا کھلنا محال ہے۔

ایک اور، بہ ظاہر ضمنی لیکن فی الحقیقت، بڑی اہم چیز حقائق سے اغماض ہے۔ صحیح معلومات اور اعداد و شمار کا کوئی قابل اعتماد نظام موجود نہیں۔ شماریات کا شعبہ حکومت کے اشارہ چشم و ابرو کو دیکھتا ہے اور اسٹیٹ بنک تک جزوی آزادی کے حصول کے باوجود آزاد رائے دینے سے احتراز کرتا ہے۔ پالیسی سازی پر کھلی بحث نہ ہونے کے برابر ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی تو حکومت کے قبضے میں ہیں، پریس کو بھی طرح طرح سے قابو میں کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ کا فورم غیر موثر ہو گیا ہے۔ قومی اور بین الاقوامی پالیسیوں پر عوام کی رائے حاصل کرنے اور پبلک مباحثے اور مشاورت کے ذریعے پالیسی سازی کا کوئی وجود نہیں۔ اہم بین الاقوامی معاہدے تک نہ قوم کے علم میں لائے جاتے ہیں اور نہ پارلیمنٹ میں ان پر بحث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کابینہ کے بند کمروں میں یہ فیصلے ہو جاتے ہیں بلکہ صحیح تر بات تو یہ ہے کہ بس کابینہ کو بھی مطلع کر دیا جاتا ہے، ورنہ اصل فیصلے تو چند افراد بالا ہی بالا کر لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ملک میں کھلی حکمرانی (open government) جو اچھی حکمرانی (good government) کی روح ہے، مفقود ہے۔ یہ کرپشن اور آمرانہ رجحانات کو پروان چڑھانے کا اہم سبب ہے۔

موجودہ معاشی دلدل سے نکلنے اور معاشی زندگی کی تعمیر نو کے لیے جن اقدامات کی ضرورت ہے ان میں سب سے پہلا مرحلہ معاشی نظام اور اس کے مقاصد اور ترجیحات کا صحیح وژن (vision) ہے۔ موجودہ حکومت کے پاس کوئی واضح وژن نہیں۔ اس حکومت اور اب تک کی دوسری حکومتوں نے عملاً جو کچھ کیا ہے وہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کا استحکام اور ایک قسم کی سیاسی اور معاشی چند شخصی نظام (aristocracy) کا فروغ ہے۔ وقت کی پہلی ضرورت نئے نظام کا واضح تصور ہے جس کے ضروری خدوخال ہم نے موجودہ نظام پر اپنی تنقید اور اقبال اور قائداعظم کے استفسارات کی روشنی میں بیان کر دیے ہیں۔ اس نئے وژن کے بغیر کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔

دوسری ضرورت اس وژن کی روشنی میں تفصیلی پالیسی سازی اور معاشی حکمت عملی کا تعین ہے۔ الحمدللہ اس سلسلے میں نظری کام ضروری تفصیل کے ساتھ پاکستان میں تحریک اسلامی اور عالمی اسلامی تحریکات سے ہم نوا تحقیقی اداروں اور محققین نے کیا ہے۔ اس سلسلے میں وسیع لٹریچر موجود ہے جس سے رہنمائی لے کر ایک اچھی حکومت بہت کم وقت میں تفصیلی پروگرام بنا سکتی ہے۔

تیسری اور اہم ترین ضرورت نئی سیاسی اور معاشی قیادت ہے جو موجودہ نظام کو چیلنج کر سکے اور نیا نظام قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا سکے۔ ملک کی موجودہ سیاسی قیادت اپنی ساکھ اور وژن کھو چکی ہے۔ اسے ملک اور ملک سے باہر اس کی کوئی ساکھ 'creditbility' نہیں رہی۔ نیز گذشتہ پندرہ سال میں اس نے جس صلاحیت اور کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی روشنی میں اس سے کوئی امید قائم کرنا "آزمائے ہوئے کو مزید آزمانے کی حماقت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا: آزمودہ را آزمودن جہل است۔

اب نجات کا راستہ اگر کوئی ہے تو ایک نئی قیادت کو برسراقتدار لانا ہے جو اس وژن کے مطابق ایک طرف ماضی کی قیادتوں کا موثر احتساب کر سکے اور دوسری طرف نئی تعمیر کا کام انجام دے سکے۔

موجودہ سنگین معاشی بحران سے نکلنے کا راستہ یہی ہے۔

© rasailojaraid.com